41

جماعت احمدیہ کے مقصد کی اہمیت
اور
اس کے حصول کی کوشش

(فرمودہ ۱۶ر نومبر ۱۹۲۳ء)

تشہد و تعوذ اور سورۂ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور انور نے فرمایا۔

ہر ایک انسان دنیا میں اپنے لئے کوئی نہ کوئی مقصد اور مدعا رکھتا ہے۔ جس کسی آدمی کو بھی دیکھو اس کی زندگی میں حرکت اس کے کاموں میں جوش اور اس کے ارادوں میں بلندی تبھی ہوگی جبکہ وہ کوئی ایسا کام کر رہا ہوگا جس کے ساتھ اس کا مدعا اور مقصد وابستہ ہوگا اور جب کسی کے سامنے کوئی مقصد اور مدعا نہ رہے۔ اسی وقت اس کی زندگی موت سے بدل جاتی ہے وہ گو زندوں میں نظر آتا ہے مگر دراصل وہ مُردوں میں شامل ہوتا ہے۔ پس زندگی کے کیا معنے ہیں۔ اس کے معنے کوئی مقصد اور مدعا اپنے سامنے رکھنا ہے۔ بے شک ایسی چیزیں ہیں جو کوئی مقصد نہیں رکھتیں اور پھر بھی زندہ رہتی ہیں۔ مگر وہ حیوانات والی زندگی ہے۔ اور انسانوں اور حیوانوں میں یہی فرق ہے کہ انسان اپنا ایک مقصد رکھتے ہیں اور حیوانوں کے سامنے جو چیز آجائے وہ ہی مقصد بن جاتی ہے۔ ان کے برخلاف انسان ایک چیز کو مقصد کے طور پر سامنے رکھ کر اس کی طرف چلتا ہے۔ اور جب اسے وہ حاصل ہو جاتی ہے تو پھر اور کو مقصد قرار دے لیتا ہے اور جب وہ بھی حاصل ہو جاتی ہے تو پھر اور کو۔ اور یہی سلسلہ چلتا رہتا ہے۔ بچپن سے لیکر بڑھاپے تک دیکھ لو تمام انسانوں کی یہی حالت ہے جونہی بچہ ہوش سنبھالتا ہے اور تمیز حاصل کرتا ہے اسی وقت سے دانا اور عقلمند لوگ اس میں زندگی کی روح پیدا کرنے کے لئے اس کے سامنے مقصد رکھتے ہیں۔ مثلاً بچہ کھیلیں کھیلتا ہے اس وقت اس کے سامنے یہ مقصد ہوتا ہے کہ فتح حاصل کرنی ہے۔ ہمارے ملک میں عام طور پر بچے کبڈی اور گیند سے کھیلتے ہیں ان کھیلوں میں بچوں کا جب تک یہ مقصد ہوتا ہے کہ مقابل والے کو ہرانا اور خود فتح حاصل کرنی ہے اس وقت تک جوش سے کھیلتے ہیں اور جب مقابل والے کھیلنا چھوڑ دیں تو بیٹھ

جاتے ہیں۔ کوئی نہیں سمجھ سکتا کہ گیند کو ڈنڈا مارنے سے کیا لطف حاصل ہوتا ہے اور نہ کھیلنے والوں کی یہ غرض ہوتی ہے بلکہ ان کی غرض اور مقصد یہ ہوتا ہے کہ گیند کو فلاں جگہ پہنچانا ہے اس سے بچوں میں ہوشیاری اور چستی پیدا ہوتی ہے اور اس طرح انہیں کچھ مشق ہوتی ہے کہ وہ اپنے سامنے کوئی مقصد اور مدعا رکھیں۔ مگر ان کا اس وقت کا مقصد چھوٹا ہوتا ہے جو چند منٹ میں حاصل ہو جاتا ہے۔ پھر جب بچے سکولوں میں داخل ہوتے ہیں تو ذرا بڑا مقصد ان کے سامنے ہوتا ہے۔ جو ایک سال میں حاصل ہوتا ہے۔ یعنی سال کے بعد امتحان دیتے ہیں اور اگلی جماعت میں جاتے ہیں۔ اگر لڑکوں کا امتحان نہ ہو تو بہت سے لڑکے جاہل ہی رہیں امتحان ہی ان سے محنت کراتا ہے اور یہی صحیح طور پر وقت صرف کرنے کی طرف مائل کرتا ہے۔ وہ جانتے ہیں کہ امتحان دینا ہے اس لئے محنت کرتے ہیں۔ اور ایک امتحان جب پاس کر لیتے ہیں تو دوسری جماعت کا امتحان دینا ان کا مقصد بن جاتا ہے۔ پھر تیسری جماعت کا۔ پھر چوتھی کا۔ یہاں تک کہ جب تعلیم کے زمانہ کو ختم کر لیتے ہیں تو ان کو اپنا مقصد بدلنا پڑتا ہے اور اس وقت ان کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ مال و دولت پیدا کریں تاکہ آرام و آسائش کی زندگی بسر کر سکیں۔ وہ اس کے لئے محنت کرتے رہتے ہیں۔ اور پھر اس سے اوپر ترقی کرتے ہیں شادی کرتے ہیں' بچے پیدا ہوتے ہیں۔ ان کی تعلیم و تربیت کے سامان مہیا کرنے کے لئے محنت و مشقت کرتے ہیں۔ اگر ان باتوں کو علیحدہ کر دیا جائے تو کوئی آدمی محنت نہ کرے۔ امتحانات کو ترک کر دیا جائے۔ بیوی بچوں کے خیال کو علیحدہ کر دیا جائے۔ معیشت کی فکر کو چھوڑ دیا جائے تو انسان مُردوں کی طرح ہو جائے گا۔ اور اس کا صرف یہ کام رہ جائے گا کہ جب کھانا سامنے آگیا تو کھا لیا۔ پس مقاصد ہی انسان کی حیات کو حقیقی طور پر ظاہر کرتے ہیں اور انہی سے زندگی کی روح پیدا ہوتی ہے جس انسان کے سامنے یہ مقصد ہو کہ بیوی بچوں کو کھلانا پلانا ہے وہ اور رنگ میں کوشش کرے گا اور جس بادشاہ کے سامنے سارے ملک کا انتظام ہو وہ اور رنگ میں کوشش کرے گا۔ دونوں کی کوششوں میں فرق ہوگا۔ عام انسان کم کوشش کرے گا اور بادشاہ کی کوشش بہت زیادہ ہوگی۔ حتیٰ کہ بعض ممالک کے حکمراں انسانوں کی ذمہ داریاں اس قدر بڑھی ہوئی ہوتی ہیں کہ میں نے ایک اخبار میں پڑھا جو لکھتا ہے کہ امریکہ کی پریذیڈنٹی انسانوں کی قاتل ہے۔ کیونکہ تین سال کے عرصہ میں ملک کے بہترین انسان کو مار دیتی ہے۔ یا مار دینے کے برابر کر دیتی ہے۔ تو جتنا بڑا کوئی مقصد ہوتا ہے اس کے لئے اتنی ہی زیادہ کوشش کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور حقیقی زندگی مقاصد سے ہی حاصل ہوتی ہے۔ پس جبکہ ہم یہ عام نمونہ دیکھتے ہیں اور تمام انسانوں کی زندگی مقاصد سے وابستہ پاتے ہیں تو اس سے بڑھ کر خوش قسمتی اور کیا ہو سکتی ہے کہ کسی کو ایسا اعلیٰ درجہ کا مقصد مل جائے جس کے مقابلہ کا اور کوئی مقصد نہ ہو۔ اور اس کے لئے اسے ایسی کوشش کرنے کا موقع ملے۔ جیسی

کسی اور مقصد کے لئے نہ کی جاتی ہو۔ اور نہ کی جانی ممکن ہو۔

اسلام نے اس مقصد کو مد نظر رکھتے ہوئے کہ حیات مقصد سے وابستہ ہوتی ہے اور حیات انسان کو اس لئے دی گئی ہے کہ جو اس کا مقصد ہے اسے حاصل کر کے دکھائے اور دنیا میں خدا تعالیٰ کا مظہر بنے۔ اسلام نے انسان کا یہ مقصد رکھا ہے کہ اسے خدا مل جائے یہ اتنا بڑا اور عظیم الشان مقصد ہے جو کبھی ختم نہیں ہو سکتا اس لئے اس کے حاصل کرنے والوں کو کبھی سُست نہیں ہونا چاہیئے۔ کئی لوگ کہا کرتے ہیں کہ ہم نے دنیا کے سارے کام کر لئے۔ اب ہمیں اپنے کھانے پینے کے لئے یا بیوی بچوں کو کھلانے کے لئے محنت کرنے کی ضرورت نہیں۔ بچے جوان ہو گئے ہیں وہ سب کچھ کر رہے ہیں۔ ایسا انسان چارپائی پر لیٹا رہتا ہے اور کوئی کام نہیں کرتا یا کچھ کام کر ہی نہیں سکتا۔ کیونکہ قوئ اس کو جواب دے چکے ہوتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیاوی مقاصد ایسے ہیں کہ وہ یا تو ختم ہو جاتے ہیں یا انسان ان کے حصول کی کوشش کرنے سے رہ جاتا ہے۔ اور وہ ایسے ہوتے ہیں کہ انسان ان کو پورا کر ہی نہیں سکتا۔ جیسے کہ اگر کوئی بوڑھا چاہے کہ کچھ کمائے تو کما نہیں سکتا۔ ایسی حالت میں جو لوگ ہوتے ہیں وہ کڑھتے ہیں۔ مگر اسلام نے انسان کے لئے ایسا مقصد رکھا ہے کہ اس کے لئے جتنی کوشش کریں تھوڑی ہے اور خواہ کسی حالت میں ہوں اس کے لئے کوشش کر سکتے ہیں۔

دنیاوی مقاصد کی تو یہ حالت ہے کہ مثلاً کوئی ملازمت کی تلاش میں ہے اسے جب ملازمت مل گئی تو اس کا مقصد حاصل ہو گیا۔ بیوی بچوں کے لئے مال جمع کرنا چاہتا ہے۔ جب مال ملے گا تو اس کا مقصد پورا ہو گیا۔ بیماری سے صحت یاب ہونا چاہتا ہے جب صحت ہو گی تو اس کا مقصد ختم ہو گیا۔ مگر اسلام نے انسان کا جو یہ مقصد رکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ملاقات حاصل ہو وہ ایسا ہے کہ جو کبھی ختم نہیں ہو سکتا۔ کوئی انسان یہ نہیں کہہ سکتا کہ مجھے خدا مل گیا ہے اور اب مجھے اور ترقی کرنے کی ضرورت نہیں رہی۔

بعض نادان اعتراض کیا کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو **اھدنا الصراط المستقیم** کہا کرتے تھے تو کیا ان کو سیدھا راستہ نہیں ملا تھا۔ مسلمان کہتے ہیں کہ وہ ساری دنیا کے لئے ہادی اور راہ نما ہیں۔ مگر ان کو تو خود سیدھا راستہ نہ ملا ہوا تھا کیونکہ وہ کہتے رہے کہ اے خدا مجھے سیدھا راستہ دکھا۔ اگر کہو کہ ان کو سیدھا راستہ ملا ہوا تھا تو معلوم ہوا (نعوذ باللہ) وہ جھوٹ کہتے تھے اور اگر نہیں ملا ہوا تھا تو وہ دوسرے کے ہادی کس طرح ہو سکتے ہیں۔ مگر یہ اعتراض کرنے والوں کی نادانی ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سیدھا راستہ تو ملا ہوا تھا مگر وہ راستہ کبھی ختم نہ ہونے والا راستہ ہے۔ اعتراض کرنے والے **اھدنا الصراط المستقیم**

کی دعا کو اس طرح سمجھتے ہیں جس طرح بچے مٹھائی وغیرہ مانگتے ہیں کہ جب ان کو مل گئی تو ان کا مقصد حاصل ہو گیا۔ مگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ مانگتے تھے وہ کبھی نہ ختم ہونے والا مقصد تھا۔ اور اگر آپ اس درجہ سے جو آپ کو حاصل تھا کروڑوں اور اربوں درجہ بھی زیادہ بڑھ جائے تو بھی آپ کا مقصد ختم نہیں ہو سکتا تھا۔ یہی مقصد عالی تھا جس کی وجہ سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں ایسی روح پیدا ہو گئی تھی کہ آپ کا کوئی لحہ ضائع نہ جاتا تھا۔ کیونکہ آپ سمجھتے تھے کہ آپ کا اتنا اعلیٰ مقصد ہے کہ خواہ اس کے لئے آپ کتنی بھی کوشش کریں پھر بھی رستہ باقی ہی رہے گا پس نادان ہیں وہ لوگ جو اس بات پر حیران ہوتے ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اتنی بڑی شان کے ہوتے ہوئے کیوں **اھدنا الصراط المستقیم** کی دعا کرتے تھے۔ ہم کہتے ہیں آپ کی زندگی تو الگ رہی اب بھی آپ درجہ میں آگے ہی آگے چل رہے ہیں جس دن رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فوت ہوئے تھے اس دن روحانیت کے لحاظ سے آپ جو تھے وہ آج نہیں ہیں۔ آئندہ یہی نہیں رہیں گے بلکہ اور ہونگے کیونکہ ہر لحہ اور ہر گھڑی آپ ترقی کر رہے اور آگے ہی آگے قدم بڑھا رہے ہیں۔ کیونکہ آپ نے اپنی ترقی کے لئے وہ راستہ چنا ہے۔ جو کبھی ختم ہی نہیں ہو سکتا۔

پھر اسلام نے انسان کے لئے وہ مقصد رکھا ہے کہ اگر اس کے ہاتھ پاؤں شل ہو جائیں تو بھی اس مقصد کو چھوڑ نہیں سکتا اور اس سے الگ نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اس کے لئے یہ شرط ہے کہ جیسے سامان کسی کو میسر ہوں اور جس حالت میں کوئی ہو اس کے مطابق کوشش کرے۔ پس کوئی شخص اس مقصد کو اس لئے نہیں چھوڑ سکتا کہ اس کے لئے سامانوں کی کمی ہے۔ بلکہ جب کوئی ایسی حالت میں ہی کوشش کرتا ہے تو جو کمیاں ہوتی ہیں وہ خدا تعالیٰ خود پوری کر دیتا ہے۔ دنیاوی مقاصد کی تو یہ حالت ہے کہ مثلاً کوئی شخص موٹر پر سفر کر رہا ہو جو رستہ میں ٹوٹ جائے یا خراب ہو جائے ایسی حالت میں وہ آگے نہیں چل سکے گا۔ لیکن اسلام یہ کہتا ہے کہ جس حالت میں بھی تم ہو گے اور جتنی طاقت تم میں ہوگی اگر وہ خرچ کر دو گے تو بقیہ کا خدا خود سامان کر کے تمہیں منزل مقصود تک پہنچا دے گا۔ اگر تمہاری سواری کی گاڑی ٹوٹ جائے تو کوئی پروا نہیں۔ خدا کے فرشتے تمہیں اپنی گودیوں میں بٹھا کر خدا کے پاس لے جائیں گے۔ مگر شرط یہ ہے کہ تم اپنی طرف سے پوری پوری کوشش کرو۔ اگر کسی کے پیر ہیں اور وہ ان سے کام نہیں لیتا تو خدا کی طرف سے بھی اسے کوئی مدد نہیں ملے گی۔ مگر جس کے پاؤں ہوں اور وہ ان سے کام لے تو پھر جو کمی رہ جائے اسے خدا تعالیٰ کے فرشتے پوری کر دیتے ہیں۔ اب اگر کوئی لولا لنگڑا مسجد میں جا کر جماعت کے ساتھ نماز نہیں پڑھتا یا جس کے پاس مال نہیں وہ زکوٰۃ نہیں دیتا تو وہ اسی طرح اپنے مقصد کو حاصل کرے گا جس طرح ایک شخص جس کے پاس مال ہے اور وہ اس کو خدا کے لئے خرچ کرتا ہے۔ ہاتھ پاؤں ہیں اور ان سے

خدا کے رستہ میں کام لیتا ہے۔ ایک دفعہ رسول کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم جہاد پر جا رہے تھے کہ آپ نے فرمایا۔ مدینہ میں کچھ ایسے لوگ ہیں جو ویسا ہی ثواب حاصل کرتے ہیں جیسا تم لوگ جو جہاد کے لئے نکلے ہو۔ تم کسی وادی میں سے نہیں گذرتے جس میں وہ تمہارے ساتھ نہیں ہوتے اور تم کوئی مشقت نہیں اٹھاتے جس کا ثواب ان کو نہیں ملتا۔ صحابہ نے کہا یہ عجیب بات ہے کہ وہ آرام سے گھروں میں بیٹھے اتنا ہی ثواب حاصل کر رہے ہیں جتنا جہاد کے لئے نکلنے والے۔ آپ نے فرمایا وہ ایسے لوگ ہیں جن کے دل چاہتے ہیں کہ وہ بھی اسی طرح جہاد کے لئے نکلیں جس طرح تم نکلے ہو مگر ان کے پاس سامان نہیں اور وہ مجبور ہیں۔ اس لئے خدا تعالیٰ ان کو بھی وہی ثواب دے گا جو تم کو دے گا۔

تو دنیا کے مقاصد اور روحانی مقاصد میں دو عظیم الشان فرق ہیں۔ روحانی مقصد کبھی بدلتا نہیں۔ شروع سے چلتا ہے اور انتہا کو چلا جاتا ہے۔ اس میں تبدیلیاں نہیں ہوتیں۔ دوسرا فرق یہ ہے کہ اس کے حصول کے لئے کوشش کریں۔ اور جو کمی رہ جائے اسے خدا تعالیٰ خود پورا کر دیتا ہے۔ سکولوں میں تو ہوتا ہے کہ اگر کوئی طالب علم کند ذہن ہو تو وہ امتحان میں فیل ہو جاتا ہے۔ لیکن اس میں یہ ہے کہ خواہ کوئی کند ذہن ہو اگر وہ محنت کرتا ہے تو فیل نہیں ہوگا۔ اور یہ ایسا وسیع علم ہے کہ دین کا یہ حساب بندوں کے سپرد ہی نہیں کیا گیا۔ نادان لوگ کہتے ہیں کہ جب اسلام میں اعمال کے رو سے بدلہ ملے گا تو ایک ذہین اعمال میں ترقی کر کے بڑا درجہ حاصل کرے گا اور ایک کم فہم اس سے محروم رہے گا۔ مگر اس مسئلہ کو سمجھ لینے سے یہ اعتراض دور ہو جاتا ہے کہ وہ کمیاں جو کسی کو قدرت کی طرف سے ملی ہوں ان کو مدنظر رکھا جائے گا اور ان کا لحاظ رکھ کر اعمال کا بدلہ دیا جائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ بدلہ دینا خدا تعالیٰ نے اپنے ہاتھ میں رکھا ہے کیونکہ بندے کسی کے متعلق صحیح فیصلہ نہیں کر سکتے۔ ممکن ہے کہ ایک شخص کی مجبوری کی وجہ سے کوئی دینی کام نہ کر سکے۔ اور لوگ سمجھ سکیں کہ سستی اور کوتاہی سے ایسا کرتا ہے۔ مگر خدا تعالیٰ جانتا ہے کہ اس میں یہ کمی رکھی گئی ہے اس کی وجہ سے ایسا کرتا ہے اس لئے وہ اس کو اتنا ہی بدلہ دے گا جتنا اگر اس میں کمزوری نہ ہوتی اور وہ کام کر کے بدلہ پاتا۔ پس ایسے عظیم الشان مقصد اور بدلے کے ہوتے ہوئے اگر کوئی اس کے لئے کوشش نہ کرے تو اس پر افسوس بھی بہت زیادہ ہوگا۔ اگر کسی کے سامنے مقصد نہ ہو تو وہ کہہ سکتا ہے کہ اب میں کیا کروں۔ مگر ایک مسلمان یہ نہیں کہہ سکتا۔ کیونکہ اس کو کہیں گے کہ سورۂ فاتحہ میں جو صراط مستقیم بتایا گیا ہے۔ وہ کبھی ختم نہیں ہو سکتا۔ اور اگر کہو کہ ہمارے پاس سامان نہیں تو کیا کریں۔ اس کے متعلق کہیں گے اسلام یہ کہتا ہے جتنے سامان ہیں ان کو استعمال کرو بقیہ کا خدا بدلہ دے دے گا۔ پس اس قدر آسانیوں کے ہوتے ہوئے اور اتنا اعلیٰ مقصد ہوتے ہوئے

اگر کوئی سستی کرتا ہے تو بہت ہی افسوس کے قابل ہے۔ مگر میں افسوس سے کہتا ہوں کہ اپنی جماعت میں ایسے لوگ ہیں جنہوں نے ابھی تک اپنے مقصد کو ہی نہیں سمجھا۔ ایک زمانہ میں انہوں نے بحثیں کیں۔ وفات مسیح۔ نبوت مسیح موعود کے مسائل حل ہو گئے۔ تو بیعت کرلی۔ مگر پھر انہوں نے یہ نہ سمجھا کہ کیوں ہندوؤں، سکھوں، عیسائیوں اور غیر احمدیوں سے لڑتے ہیں (لڑنے سے میری مراد دلائل سے لڑنا ہے) اگر ہم نے اپنے اندر کوئی تبدیلی نہیں کی تو دوسرے لوگوں سے اختلاف کرنے کا فائدہ کیا۔ بات یہ ہے کہ ایسے لوگ اپنے مقصد اور مدعا کو سمجھے بغیر بیٹھ گئے انہوں نے سمجھا حضرت مسیح موعود کا مان لینا کافی ہے۔ حالانکہ آپ کو مان لینا تو ایسا ہی ہے جیسا کہ کسی مقام تک پہنچنے کا رستہ پوچھ لیا جائے اور صرف رستہ پوچھ لینے سے کوئی اس مقام تک کس طرح پہنچ سکتا ہے۔ حضرت مسیح موعود کا ماننا ایسا ہی ہے جیسے رستہ پوچھ لیا۔ آگے عمل کا درجہ شروع ہوتا ہے۔ مگر وہ عمل نہیں کرتے۔ اور اس کو کامیابی کس طرح ہو سکتی ہے جو صرف یہ کہے کہ میں نے مان لیا۔ مگر آگے محنت نہیں کرتا۔ اگر وہ لوگ جنہوں نے حضرت مسیح موعود کو مان لیا۔ ان کی قربانیوں اور دوسروں کی قربانیوں میں زمین و آسمان کا فرق نہیں تو پھر ان کا مان لینا ایسا ہی جیسا کہ دروازہ پر پہنچ کر کوئی اندر نہ داخل ہو۔ اور ایسے لوگوں کی حالت ان سے بدتر ہے جن کو اس مقام کا ابھی پتہ نہیں لگا۔

دیکھو اگر ایک شخص پیاسا ہو۔ مگر اسے پانی کا پتہ نہ ہو کہ کہاں ہے تو قابل الزام نہیں ہوگا قابل افسوس ہوگا۔ مگر ایک شخص جسے پیاس لگی ہوئی ہو اور یہ بھی معلوم ہو کہ فلاں جگہ پانی ہے مگر پیتا نہیں تو وہ قابل افسوس بھی ہے اور قابل ملامت بھی۔ افسوس ہے کہ میں اپنی جماعت میں ایسے لوگ دیکھتا ہوں جنہوں نے حضرت مسیح موعود کے دعویٰ کو پرکھ کر قبول تو کرلیا۔ مگر آگے اس کو پیش نہیں کیا اور بعض تو ایسے ہیں کہ نہ صرف دوسروں کے سامنے انہوں نے پیش نہیں کیا بلکہ اپنی جانوں کی حفاظت کے لئے جو کچھ کرنا ضروری تھا وہ بھی نہیں کیا اور انہوں نے حضرت مسیح موعود کو اس طرح نہیں مانا کہ اصل مدعا حاصل کر سکیں اور نجات پا سکیں۔ میں اپنی جماعت کے لوگوں سے کہتا ہوں کہ صرف مان لینے سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا اگر فائدہ حاصل کرنا چاہتے ہو تو اپنی زندگی اس رنگ میں بناؤ کہ تم میں اور دوسروں میں نمایاں فرق ہو۔ احمدی اور غیر احمدی کی مثال میرے نزدیک اس طرح ہے کہ غیر احمدی تو بھٹکا ہوا جنگل میں پھر رہا ہے اور احمدی کو راستہ مل گیا ہے۔ لیکن اس حالت تک کوئی بڑا فرق نہیں بلکہ ہو سکتا ہے کہ جو جنگل میں پھر رہا ہے اور راستہ تلاش کرنے کی کوشش کر رہا ہے اسے رستہ مل جائے۔ اور وہ منزل مقصود پر پہنچ جائے۔ مگر وہ احمدی جو حضرت مسیح موعود پر ایمان لا کر یعنی کچھ راستہ طے کر کے بیٹھ جائے وہ اسی حالت میں مرجائے اور اسے کچھ

حاصل نہ ہو۔ پس جس قدر اہم مقصد ہو اس قدر زیادہ کوشش جب تک نہ کی جائے کامیابی حاصل نہیں ہو سکتی۔ ہماری جماعت کے لوگوں کو چاہیئے کہ اپنی زندگی میں ایسی تبدیلی پیدا کریں اور ایسی روح پیدا کریں کہ جو اس مقصد کے حصول کے لئے ضروری ہے کیونکہ سستیوں سے کبھی کام نہیں چلتا۔

پچھلی لڑائی کے متعلق دیکھو وہ یورپ میں ہو رہی تھی۔ مگر کس طرح دنیا کے سارے ملک ملتے جا رہے تھے۔ ہمارے ملک سے پانچ ہزار میل دور وہ جنگ تھی۔ مگر ہمارا ملک بھی سارے کا سارا تھرا رہا تھا اور تمام لوگ اس کام میں لگے ہوئے تھے۔ لیکن وہ جنگ بھی اس جنگ کے مقابلہ میں کیا حقیقت رکھتی ہے جو تمہیں درپیش ہے۔ وہاں تو یہ لڑائی تھی کہ تلواریں لے کر ایک دوسرے کو قتل کر رہے تھے۔ مگر ہم نے لوگوں کے دلوں کو فتح کرنا ہے۔ پھر وہ لڑائی تو چند ممالک کی دوسرے چند ممالک سے تھی۔ مگر ہماری لڑائی ساری دنیا کے خلاف ہے۔ اس لئے ہماری لڑائی کے مقابلہ میں وہ لڑائی حقیر ہے کیونکہ قتل کرنا اتنا مشکل نہیں جتنا دل کو فتح کرنا ہے۔ قتل تو آوارہ اور بدمعاش لوگ بھی کر سکتے ہیں اور کرتے ہیں۔ لیکن کیا کوئی بدمعاش اور بدافعال انسان کسی کو بدی سے نیکی کی طرف لا سکتا ہے۔ ایسے انسان کا کسی کو نیکی کی طرف لانا تو الگ رہا بہت سے نیک بھی اس میں رہ جاتے ہیں۔ پس چونکہ ہماری تلوار کا کاٹ بہت دیر میں ہوتا ہے اس لئے ہمارا کام بہت مشکل ہے۔ مگر ساتھ ہی عظیم الشان بھی کیونکہ ظاہری زخم اچھا بھی ہو جاتا ہے مگر ہماری تلوار کا زخم سیا نہیں جا سکتا۔

پھر جنگ عظیم میں جو طاقتیں لڑ رہی تھیں۔ ان میں تھوڑا فرق تھا۔ مگر ہم دنیا کے مقابلہ میں کچھ بھی نسبت نہیں رکھتے۔ ہم بہت تھوڑے ہیں اور جن سے ہمارا مقابلہ ہے وہ بہت زیادہ ہیں اس سے سمجھ لو کہ ہمیں زندگی پیدا کرنے اور کام کرنے کی روح حاصل کرنے کی کس قدر ضرورت ہے۔ کیا لڑائی کے زمانہ میں کوئی انگریز آرام کی نیند سوتا تھا ہرگز نہیں۔ پس اگر وہ نہیں سوتے تھے اور ہم اس جنگ میں آرام سے سو جائیں۔ تو معلوم ہو گا کہ یا تو ہمیں پتہ ہی نہیں کہ ہمارا مقصد اور مدعا کیا ہے۔ یا ہم جان بوجھ کر اپنی ذمہ داروں سے غفلت کر رہے ہیں۔ مجھے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ لاہور کی جماعت (اس وقت میں اسی کو مخاطب کرتا ہوں) جس کو میں کئی سال سے توجہ دلا رہا ہوں کہ یہ شہر جو صوبہ کا مرکز ہے اس میں خاص طور پر تبلیغ کی کوشش کرو۔ اور زندہ ہو کر کام کرو۔ مگر متواتر توجہ دلانے پر بھی کوئی اثر نظر نہیں آتا۔ تبلیغ کے لئے انجمن بنتی ہے اور ٹوٹ جاتی ہے۔ کام کرنے والوں سے پوچھتا ہوں تو وہ کہتے ہیں دوسرے لوگ کام نہیں کرتے اس لئے ہم بھی کچھ عرصہ کر کے چھوڑ دیتے ہیں۔ میں کہتا ہوں بیوی بچوں سے تو زیادہ خدا کا تعلق ہے مگر کیا بیوی بچوں

کے لئے چند دن کام کر کے پھر چھوڑ دیا جاتا ہے ہرگز نہیں۔ پھر خدا کے کام کو کیوں چھوڑ دیتے ہیں۔ یہ بات اچھی طرح یاد رکھنی چاہیئے کہ مومن کے لئے اس دنیا میں آرام نہیں اور جب تک تم اس بات کو نہ سمجھ لو کامیابی نہیں حاصل ہو سکتی۔ مومن کے آرام کا وقت اس کے مرنے کے بعد ہوتا ہے۔ اسی لئے اہل اللہ کہتے ہیں کہ مومن کے لئے خوشی کی گھڑی وہ ہوتی ہے جب اس پر موت آتی ہے۔ اور کافر کے لئے وہ دکھ کی گھڑی ہوتی ہے کیونکہ وہ سمجھتا ہے کہ اب میرا آرام ختم ہو گیا اور دکھ شروع ہو گا۔ مگر مومن یہ دیکھتا ہے کہ اب میرا دکھ ختم ہو گیا اور آرام شروع ہو گا۔ پس وہ جو اس دنیا میں آرام سے بیٹھ جاتا ہے اور خدا کی راہ میں تکالیف نہیں اٹھاتا وہ مومن نہیں۔ کیونکہ مومن کے آرام کا وقت وہ ہے جبکہ وہ مرتا ہے۔ پس تم لوگ اس بات کو سمجھ کر اپنے اعمال کی اصلاح کرو۔ بے ہمتی اور بے استقلالی نہایت افسوس ناک باتیں ہیں۔ پھر کسی کی نگرانی اور راہنمائی کا اپنے آپ کو محتاج سمجھنا بھی نادانی ہے۔ نگرانی کے محتاج بچے ہوتے ہیں۔ مگر مومن جوان ہوتا ہے اور وہ اپنا نگران خدا کو ہی سمجھتا ہے کیونکہ خدا تعالیٰ ہی اصل نگرانی کر سکتا ہے۔ دیکھو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی فوت ہو گئے اور حضرت مسیح موعود بھی فوت ہو گئے۔ پھر کون ہو سکتا ہے جو ہمیشہ نگرانی کر سکتا ہے۔ اس لئے ایسے زمانے بھی آتے ہیں جب کہ کوئی نگران نہیں ہوتا۔ جیسے مسلمانوں پر زمانہ آیا کہ نہ ان کی خلافت رہی اور نہ امامت۔ اس لئے مومن کو چاہیئے کہ اپنے فرض کو خود پہچانے اور کسی کی یاد دہانی کا محتاج نہ رہے۔ یہ خاص وقت ہے جب تم لوگ کام کر کے بڑے بڑے اجر پا سکتے ہو۔ حضرت مسیح موعود کا شعر ہے ؎

امروز قوم من نہ شناسد مقام من　　　روزے بگریہ یاد کند وقت خوشترم

کہ آج میری قوم میرا درجہ نہیں پہچانتی مگر ایک وقت آئے گا جبکہ کہے گی۔ کاش ہم مانتے اور اس نعمت سے محروم نہ رہتے۔ پس جب وقت گذر جاتا ہے تو انسان پچھتاتا ہے۔ اس لئے میں آپ لوگوں کو توجہ دلاتا ہوں کہ گو یہ مامور کا زمانہ نہیں۔ لیکن مامور کے قرب کا زمانہ ہے۔ آپ کی تعلیم موجود ہے۔ آپ کو دیکھنے والے موجود ہیں۔ اس لئے اس زمانہ کو قدر کی نگاہ سے دیکھو۔ اور اپنی اصلاح کرو۔ تبلیغ میں سستی نہ کرو اور دوسروں تک پہنچاؤ کیونکہ ایمان اور سستی ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے۔

خدا کرے آپ لوگ اس بات کو سمجھیں اور اپنے فرض کو پہچانیں۔ تا جلد وہ دن آئے جب ہم دیکھیں کہ کفر مٹ کر ہر طرف اسلام ہی اسلام ہو گیا ہے۔

(الفضل ۱۷ر نومبر ۱۹۲۳ء)